۲۲ فروری ۱۹۷۲ء

رجسٹرڈ نمبر L.922
فون نمبر ــــــــ 29

ایڈیٹر
آل احمد سرور

قیمت فی کاپی بیس پیسے
قیمت سالانہ چھ روپے

اشاعت کی تاریخیں
۱ ، ۸ ، ۱۵ ، ۲۲

ہفتہ وار ہماری زبان

جلد ۳۱ | انجمن ترقی اردو ہند (علی گڑھ) | شمارہ ۷

اداریہ

اپنی تہذیب کی خود حفاظت کیجئے

اردو ایک زبان ہی نہیں ہے، یہ ایک تہذیبی علامت بھی ہے، یہ تہذیب صدیوں کی چمن بندی کا ثمرہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں جاگیرداری کے دور کی بہت سی خصوصیات جمع ہو گئی ہیں، مگر جاگیرداری نے بھی دھرتی سے ایک رشتہ، انسانیت کے ایک تصور، ایک نصب العین سے وفاداری، ایک وضع داری، ایک بانکپن، ایک نشاطِ زیست، ایک رعنائی خیال، ایک دردمندی، ایک نفاست، پر زور دیا اور اس کے بڑے دلکش نمونے پیش کئے۔ پھر جب ہندوستان میں سرمایہ داری آئی تو اس نے مقابلے اور محنت پر زور دیا مشین کے امکانات کو دریافت کیا، دولت سے کام لینا سکھایا، تفریح کے امکانات وسیع کئے، صحافت کے لئے ایک نئی دنیا کی نشاندہی کی، فکر و فن کے پیمانے بدلے، شہری زندگی کے عجائبات بنائے، زمین اور سمندر کی بے پایاں دولت آدمی کے قدموں میں نچھاور کر دی اور جب اس کے تضادات آشکار ہونے لگے تو سوشلزم آیا اور اس نے ایک بہتر سماج کی تنظیم پر زور دیا۔ آج کے ہندوستانی کی مشکل یہ ہے کہ وہ جاگیرداری کے دور کے اثرات کو اپنے اجتماعی لاشعور میں لئے ہوئے ہے، گویا یہ اس کا مزاج ہیں، مگر وہ سرمایہ داری کے دور کی چکی میں پس رہا ہے اور اس لئے سوشلزم کی طرف دیکھ رہا ہے اسے اب یہ بھی احساس ہو چلا ہے کہ اس کا سوشلزم صرف کتابوں کا یا دوسرے ملکوں کی لکیر کا فقیر نہ ہوگا، اسے اس کی روح کا نسخہ اور اس کے دل کی دھڑکن بننا ہوگا، اس سارے نشیب و فراز اور عمل اور ردِ عمل میں اسے کچھ تہذیبی اقدار کی ضرورت ہے، ان تہذیبی اقدار کے بغیر یا تو وہ اس نرم و نازک پودے کی طرح ہوگا جو گرم ہوا میں جل جاتا ہے، یا اس تنکے کی طرح جو تیز آندھی میں اڑا پھرتا ہے۔ اردو جس تہذیب کی نشاندہی کرتی ہے، وہ چونکہ ہندوستان کی مشترک تہذیب کا عطر ہے اس لئے اس میں ہندوستانیت ہے، اس میں انسان دوستی کا ایک خاصا جامع تصور ہے، اس میں روایت کا احساس ہے مگر روایت پرستی نہیں ہے، یہ طرزِ کہن کا عرفان رکھتی ہے مگر آئینِ نو سے ڈرتی نہیں اور طرزِ کہن پر اڑتی نہیں، یہ عشق و محبت سے لے کر دوستی، میل جول، شہری اور مجلسی زندگی اور اس کے سارے پست و بلند کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ کسی ایک مذہب کی پابند نہیں ہے، اس لئے وسیع المشرب اور روادار ہے، اور چونکہ یہ بستی اندیشہ ہائے افلاکی اور زمین کے ہنگاموں کے حل کرنے کا عزم دونوں پر نگاہ رکھتی ہے، اس لئے ماورائیت اور ارضیت دونوں کے لئے گنجائش نکالتی ہے غرض یہ تہذیب اردو دوستوں کے لئے ہی نہیں ہندوستان کے لئے بھی بڑی نعمت اور بڑی دولت ہے، اس لئے اس تہذیب کی حفاظت اور اس کی ترقی کی کوشش، صرف ایک زبان کی خدمت نہیں، پورے ملک کی خدمت ہے۔ اس مقدس فریضے سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ہم کیا کر رہے ہیں۔

پہلی بات جو بالکل واضح طور پر سمجھ لینا اور ذہن نشین

کتابوں کا بین اقوامی سال

نئی دہلی ۔ حکومت ہند نے کتابوں کا بین اقوامی سال منانے کی غرض سے ایک قومی کمیٹی کی تشکیل کی ہے یونیسکو نے ۱۹۷۲ء کو کتابوں کا بین اقوامی سال قرار دیا ہے۔

مرکزی وزیر برائے تعلیم اور سماجی بہبود اس کمیٹی کے چیرمین ہوں گے۔ وزیر ریاست برائے اطلاعات ونشریات اور وزیر ریاست برائے تعلیم وسماجی بہبود اس کمیٹی کے وائس چیرمین ہوں گے۔

شری ابوالحسن اسپشل افسر (بک پروموشن) وزارت تعلیم اور سماجی بہبود (شعبہ تعلیم) مذکورہ کمیٹی کے سکریٹری کے فرائض انجام دیں گے۔

• قومی آواز لکھنؤ

کرلینا چاہیے یہ ہے کہ گو ہم اپنے جمہوری حقوق کی بنا پر حکومت سے اردو زبان وادب کی بقا اور ترقی کا مطالبہ کرسکتے ہیں اور کرنا چاہیے اور حکومت کو یہ مطالبہ پورا بھی کرنا چاہیے مگر ہم صرف حکومت سے مطالبہ کرکے خاموش نہیں بیٹھ سکتے نہ ہم اپنا سارا وقت اور توانائی حکومت سے مطالبہ کرنے میں صرف کرسکتے ہیں، بلکہ ہمیں اس مطالبے کے ساتھ خود بھی کچھ کرنا چاہیے اور اس جذبے کے ساتھ کرنا چاہیے کہ کام ہمارا ہے، ہم ایک مقدس ورثے کے امین ہیں، ہماری آئندہ نسلوں کی ذہنی صحت اور اخلاقی طاقت اس سے وابستہ ہے اور اگر ہم نہ کریں گے تو دوسروں کو بھلا اس پر کیوں توجہ ہوگی، گو اس میں نقصان ہمارا ہی نہیں سبھی کا ہوگا۔

جب یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجائے گی تو پھر ہم میں سے ہر شخص چند بنیادی کام اپنے ذمے لے سکتا ہے۔ ان کاموں میں اپنے بچوں کو اردو زبان کی اچھی تعلیم دینا، اس کے لیے اسکولوں میں انتظام کرانا، اگر انتظام نہ ہوسکے تو اپنے اسکول کھولنا، یہ بھی نہ ہوسکے تو اپنے طور پر تعلیم دینا، ایسی بدیہی بات ہے جس پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں اردو میں تعلیم دینے کے معنی یہ ہرگز نہ ہوں گے کہ وہ کسی علاقائی زبان میں تعلیم نہ دے۔ اس یہ یادہ یعنی EITHER/OR کے فلسفے کو بالکل ترک کردینا چاہیے۔ ابتدائی اور ثانوی منزل تک کی تعلیم تو لازمی ہے، اس کے بعد اپنی اپنی توفیق اور بساط کی بات ہے۔ تعلیم کے بعد سوال ادب کا آتا ہے۔ اس سلسلے میں اردو کے اخباروں کی سرپرستی اردو ادب کے شاہکاروں کی ہر گھر میں لائبریری (ادب سے یہاں آگہی کا ادب LITERATURE OF KNOWLEDGE اور طاقت کا ادب LITERATURE OF POWER دونوں مراد ہیں) اردو کے اچھے رسالوں کی سرپرستی، اردو کے ریڈنگ روم اور کتب خانے کھولنا یا چلانا سبھی چیزیں ہمارے فرائض میں آجاتی ہیں، آج کے ڈاکٹروں، انجینیروں، وکیلوں، صنعت کاروں کو اپنی تہذیبی قدروں سے آشنا کردیجیے، ان کے لئے بھی تحریری سرمایہ بڑھائیے، انھیں یہ احساس دلا دیجئے کہ اردو صرف مشاعروں، تفریحی پروگراموں اور شعرا کے دواوین اور ناولوں کے سرمائے کا نام نہیں گو ان چیزوں کی بھی اپنی اہمیت ہے یہ ایک تہذیبی دولت ہے جس کی حفاظت اور اشاعت ان کا بھی فرض ہے تو اردو کے لئے یہ بحران بھی ایک نئی زندگی کا پیش خیمہ بن جائے گا اور اگر ہم یہ نہ کرسکے تو نہ صرف ہم اپنے اسلاف کی جانشینی کا فرض نہ ادا کرسکیں گے۔ بلکہ ہندوستان اور انسانیت کی بھی کوئی قابل قدر خدمت انجام نہ دے سکیں گے۔

کرامت علی کرامت

اردو یونی ورسٹی اور علی گڑھ

اردو یونی ورسٹی کے قیام کے سلسلے میں ہمارے مفکروں اور دانشوروں میں دو متضاد رائیں پائی جاتی ہیں۔ جہاں ایک طرف ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی کا خیال ہے کہ

"صنعتی ہندوستان میں جو نیا اخلاق ابھرے گا، اس میں یہ دیکھنا ہوگا کہ کون اچھا ڈاکٹر ہے اور کون لائق انجینئر، یہ نہیں کہ اس نے تعلیم اردو میں حاصل کی یا کسی علاقائی زبان میں۔ اور چونکہ اردو کی بین ریاستی حیثیت ہے اس لئے اردو کے ذریعہ پڑھے ہوئے ڈاکٹر اور انجینئر کی کھپت ملک کے ہر حصے میں ہوگی بشرطیکہ وہ اہلیت اور لیاقت رکھتا ہو۔ اس طرح اردو یونیورسٹی میں طالب علم ہندوستان کی ہر ریاست سے آئیں گے اور وہ نمونے کا چھوٹا سا ہندوستان ہوگی۔"

وہیں پروفیسر اسلوب احمد انصاری کی رائے ہے کہ

"ہماری نادار ی کا تو یہ عالم ہے کہ معاشرتی اور طبعی علوم کی ابتدائی درسی اور نصابی کتابیں تک تو ہمیں اردو میں میسر نہیں اور ہم ایسے ڈاکٹر اور انجینئر پیدا کرنے کا عزم رکھتے ہیں جنھوں نے خالص اردو زبان میں ان علوم کی تحصیل کی ہو اور ہماری بے حسی اور ناکردگی تو اس سے ظاہر ہے کہ فی الوقت مسلمان گھروں کے بچے بھی اردو سے نابلد ہوتے جا رہے ہیں اور ہم امید اس کی لگائے بیٹھے ہیں کہ مجوزہ اردو یونیورسٹی میں طالب علم ہندوستان کی ہر ریاست سے آئیں گے۔" (ہماری زبان ۱۰ر دسمبر ۱۹۷۱ء صفحہ ۲)۔

پروفیسر اسلوب احمد انصاری کی رائے میں، ابتدائی مرحلوں پر ذریعۂ تعلیم مادری زبان ہونی چاہئے لیکن تعلیم کی اعلیٰ منزلوں پر ذریعۂ تعلیم بدستور انگریزی ہی کو رہنا چاہئے تا وقتیکہ ہماری دیسی زبانیں صحت و تکمیل کے ایک خاص معیار تک نہ پہنچ جائیں۔ موصوف کی رائے میں اردو کو اس معیار تک پہنچانے کے لئے انگریزی سے اردو میں علمی کتابوں کا ترجمہ کرانے کے بجائے مفید اور ضروری کام یہ ہے کہ مختلف موضوعات پر اردو میں براہِ راست کتابیں تالیف کرائی جائیں اور یہ ذمہ داری صرف ایسے لوگوں کے سپرد کی جائے جو نہ صرف متعلقہ علوم کے ایک حد تک منتہی ہوں بلکہ انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں اظہارِ بیان پر یکساں قادر ہوں۔ یہ کام مرکزی اردو بورڈ کے کرنے کا ہے جس کے لئے مرکزی حکومت کی طرف سے ایک کروڑ روپیہ منظور ہوئے ہیں۔

شاخسار (شمارہ ۲۷-۲۸) کے اداریہ میں میں نے اردو یونی ورسٹی کے قیام کے سلسلے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے سپریم کورٹ کے اس فیصلے کی نشان دہی کی تھی کہ کسی ایک یونیورسٹی میں کسی ایک زبان کو لازمی زبان کی حیثیت سے قبول کرنا جمہوری اصول کے خلاف ہے۔ اس اعتبار سے ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی کی تجویز ناقابلِ عمل ہے۔ اس کے باوجود میں پروفیسر اسلوب احمد انصاری سے اختلاف کرتے ہوئے کہوں گا کہ تعلیم کی اعلیٰ منزلوں پر بھی جو طلبہ اردو کو ذریعۂ تعلیم کی حیثیت سے قبول کرنا چاہیں، انھیں اس کا موقع ملنا چاہئے۔ میری اس تجویز کا سب سے اہم سبب یہ ہے کہ دوسری علاقائی زبانوں میں اس سلسلے میں کارروائی شروع ہو چکی ہے اور اردو زبان کو دوسری علاقائی زبانوں سے کسی طرح پیچھے نہیں رہنا چاہئے۔ مرکزی یا پھر یو۔پی کے صوبائی اردو بورڈ کی طرف سے مختلف علوم و فنون پر جو معیاری کتابیں تالیف کرائی جائیں گی، وہ ظاہر ہے کہ محض لائبریری کی زینت نہیں بن سکتیں۔ انھیں طلبہ کے استعمال میں آنا چاہئے اور یہ بات اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ کسی یونی ورسٹی کا ایک ذریعۂ تعلیم اردو نہ ہو۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہ لینا چاہئے کہ انگریزی کی تعلیم کا سلسلہ ختم کر دیا جائے۔ البتہ انگریزی یا ہندی کی تعلیم کا سلسلہ اسی حد تک جاری رکھنا چاہئے جس حد تک کہ یہ ہمارے طلبہ کے حق میں مختلف علوم و فنون کی REFERENCE BOOKS سے استفادہ کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو۔ اس سال، اڑیسہ کی تین یونی ورسٹیوں میں سے اتکل یونی ورسٹی نے اڑیا اور انگریزی دونوں کو ذریعۂ تعلیم کی حیثیت دے دی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض کالجوں نے اڑیا کو ذریعۂ تعلیم کی حیثیت سے رائج کیا ہے تو بعض کالجوں نے حسبِ سابق انگریزی کو برقرار رکھا ہے۔ بعض دیگر کالجوں میں الگ الگ سیکشنز میں انگریزی اور اڑیا دونوں میں الگ الگ تعلیم کا انتظام ہے۔ لیکن اس کے پہلو بہ پہلو ان تمام کالجوں میں انگریزی زبان و ادب کی تعلیم کا بھی معقول انتظام ہے۔ اڑیسہ کی دوسری یونی ورسٹیاں بھی بہت جلد اتکل یونی ورسٹی کے تتبع میں اڑیا کو ذریعۂ تعلیم کا درجہ دینے والی ہیں۔

صوبۂ بہار نے علاقائی زبانوں کو ذریعۂ تعلیم بنانے کے سلسلے میں جس وسیع النظری کا ثبوت دیا ہے، وہ دوسروں کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہو سکتی ہے۔ بہار کی یونی ورسٹیوں میں ایم۔ اے تک کے طالب علموں کو انگریزی، ہندی، اردو، اڑیا یا بنگالی کسی بھی زبان میں جواب دینے کی اجازت ہے۔ ظاہر ہے کہ اڑیسہ میں اڑیا بولنے والوں کو اور یو۔پی اور دلی میں اردو بولنے والوں کو یہ سہولتیں فراہم نہیں ہیں۔ یہ دیکھ کر ہمیں افسوس ہوتا ہے کہ خود یو۔پی میں معاشرتی اور طبعی علوم کی ابتدائی درسی اور نصابی کتابیں اب تک میسر نہ ہو سکیں۔

لیکن بہار کی حکومت نے ابتدائی اور ثانوی سطح تک اردو زبان میں مختلف علوم و فنون پر بہت سی عمدہ کتابیں شائع کی ہیں۔ یہ کتابیں میری نظر سے گزر چکی ہیں اور وہاں کی ان تعلیمی سہولتوں کے پیش نظر ہماری امید بندھنے لگتی ہے کہ مستقبل میں چاہے اردو کہیں اور زندہ رہے یا نہ رہے، صوبۂ بہار میں یقیناً زندہ رہے گی۔ یو۔پی میں اردو کی نصابی کتابوں کے سلسلے میں جو دقتیں درپیش ہیں، انھیں فوری طور پر دور کرنے کا طریقہ میری رائے میں یہ ہے کہ حکومت بہار کی کتابوں کو یو۔پی میں مروج کیا جائے، میری دانست میں ابتدائی اور ثانوی تعلیم کی سطح پر یو۔پی اور بہار کے نصاب میں بہت زیادہ فرق نہیں ہے۔ اس لئے بہار کی نصابی کتابیں بآسانی یو۔پی میں مروج ہو سکتی ہیں۔

پروفیسر اسلوب احمد انصاری نے جو یہ کہا ہے کہ فی الوقت مسلمان گھروں کے بچے بھی اردو سے نابلد ہوتے جا رہے ہیں تو میں پوچھتا ہوں آخر اس کا سبب کیا ہے؟ اس کا ایک سبب تو یہ ہو سکتا ہے کہ ہر جگہ اردو کی ابتدائی اور ثانوی تعلیم کا انتظام نہیں ہے۔ لیکن جن علاقوں میں اردو کی ابتدائی اور ثانوی تعلیم کا انتظام ہے، وہاں اردو والوں کی اردو سے بے رخی کا سبب، میری دانست میں، یہی ہو سکتا ہے کہ اردو نہ تو اعلیٰ منزلوں پر طلبہ کا ساتھ دے سکتی ہے اور نہ تعلیم یافتہ نوجوانوں کو روزگار کے مواقع فراہم کر سکتی ہے۔ اس مسئلے کو حل کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ یونی ورسٹی کی سطح پر اردو کو ایک ذریعۂ تعلیم کی حیثیت سے رائج کر لیا جائے اور اردو میں جدید انداز کی ٹکنکل اور JOD ORIENTED تعلیم کا انتظام ہو۔ اگر ایسا ہو سکے گا تو غیر اردو داں طبقہ بھی رفتہ رفتہ اردو پڑھنے پر مائل ہو جائے گا۔

میں ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی کے اس قول سے متفق ہوں کہ

"اردو کے ذریعہ پڑھے ہوئے ڈاکٹر اور انجینئر کی کھپت ملک کے ہر حصے میں ہوگی بشرطیکہ وہ اہلیت اور لیاقت رکھتا ہو۔"

ظاہر ہے کہ اردو کے افادی پہلوؤں کو اجاگر کئے بغیر اس زبان کے تحفظ و بقا کے لئے شور و غل تو بہت مچایا جا سکتا ہے لیکن اس کے حق میں کوئی ٹھوس قدم نہیں اٹھایا جا سکتا۔

سننے میں آیا ہے کہ بہار کے چند پبلشروں نے کالج کے لئے اردو کی جو کتابیں شائع کی ہیں وہ زیادہ بکتی نہیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ اردو کی حالت یک بیک نہیں بلکہ آہستہ آہستہ سنبھلے گی۔ بہار کی نئی نسل جو اس وقت اردو میں ابتدائی تعلیم پا رہی ہے وہ جس وقت تقریباً ایک دہائی کے بعد کالج تک پہنچے گی، تو امید ہے کہ اس وقت صورت حال بہتر ہوگی۔ لیکن اس نئی نسل کے ذہن میں خود اعتمادی کا جذبہ پیدا کر کے اس کے تعلیمی سلسلے کو صحیح سمتوں میں لگانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ابھی سے کسی نہ کسی یونی ورسٹی میں اردو کو ایک ذریعۂ تعلیم کی حیثیت سے رائج کیا جائے۔ میری رائے میں اس وقت اردو کے پبلشروں کو

ع وہ سوداگر ہوں میں نے نفع دیکھا ہے خسارے میں

کے اصول پر قائم رہنے کی ضرورت ہے۔ اردو کتابوں کی وجہ سے ان کا جو فوری طور پر مالی نقصان ہوگا، اس کی تلافی کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اردو کے پہلو بہ پہلو وہ ہندی کی اعلیٰ معیار کی نصابی کتابیں بھی شائع کریں۔ آئندہ دس سال کا وقفہ گویا کہ اردو والوں کے لئے بڑی آزمائش کا وقفہ ہے۔ اس اثناء میں ہم نے اگر کوئی غلط قدم اٹھایا، تو یہ امر خود اردو زبان کے لئے سم قاتل بھی ثابت ہو سکتا ہے۔

میں نے ایک خط میں پروفیسر اسلوب احمد انصاری سے جس وقت اپنا موقف بیان کیا تو انھوں نے جواب میں لکھا

"ترقی اردو بورڈ کی تعمیر کے سلسلے میں آپ سے اس حد تک متفق ہوں کہ اگر اس رقم کو خرچ ہی کرنا ہے تو ترجموں کی بجائے تالیفات پر اسے صرف کیا جائے۔ لیکن ثانوی اور اعلیٰ سطح پر اردو کو ذریعۂ تعلیم بنانے اور اعلیٰ معیار کی تالیفات کا جواز پیدا کرنے کے لئے پہلے یہ ضروری ہے کہ ابتدائی سطح پر اردو میں تعلیم کا انتظام اور اس کی سہولتیں تو مہیا کی جائیں۔ ورنہ اس ذہنی عیاشی سے کیا فائدہ؟

پھر یہ بھی سوچ لینا چاہئے کہ جب ملک کی سرکاری زبان ہندی ہے اور اردو کا کوئی علاقہ بھی نہیں ہے تو اردو کو ذریعۂ تعلیم بنا کر آپ تعلیم یافتہ نوجوانوں کو روزگار کے مواقع کہاں سے فراہم کریں گے؟ آپ بہر حال جزیرے میں نہیں رہ سکتے۔ میری رائے میں یہ ضروری ہے کہ اول تو اردو مکاتب کا جال ملک بھر میں پھیلایا جائے، دوسرے اردو کے علمی ذخیرے کو تالیفات کے ذریعہ مالا مال بنایا جائے۔ تیسرے ہندی کی استعداد طالب علموں میں پیدا کی جائے اور چوتھے انگریزی سے رشتہ نہ صرف منقطع نہ کیا جائے، بلکہ اسے اور مضبوط اور پائدار بنایا جائے اور پھر یہ جائزہ لیا جائے کہ اس پورے عمل کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ اردو یونی ورسٹی قائم کرنے کا خیال نہ صرف ناقابل عمل بلکہ ہر اعتبار سے مضر ثابت ہوگا۔"

مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اسلوب احمد انصاری صاحب جسے ذہنی عیاشی کا درجہ دیتے ہیں، اس وقت اردو کو اسی کی بے حد ضرورت ہے۔ اردو والے ہندی اور انگریزی سے رشتہ منقطع کر کے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانا نہیں چاہتے، لیکن دیگر علاقائی زبانوں کی طرح انھیں بھی (البتہ جو لوگ اس کے

خواہاں ہوں) اپنی مادری زبان میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا موقع تو ملنا چاہئیے۔ اردو کے طلبہ کی اعلیٰ تعلیم کے لئے سہولتیں فراہم کرنا اور اردو کے علمی ذخیرے کو تالیفات کے ذریعہ مالا مال کرنا، یہ دونوں عوامل VICIOUS CIRCLE کا درجہ رکھتے ہیں۔ ایک کے بغیر دوسرے کا تصور ناممکن ہے۔ اس لئے دونوں کام بیک وقت شروع ہونے چاہئیں۔ اگر ترقی اردو بورڈ کی کتابیں باضابطہ طلبہ کے استعمال میں نہیں آئیں گی، تو ان کا معیار رفتہ رفتہ بلند کیسے ہوگا؟

جہاں تک ٹکنکل تعلیم کا سوال ہے، فوری طور پر تو کم از کم اتنا کیا جا سکتا ہے کہ انگریزی کی اصطلاحات کو ضرورت پڑنے پر مختلف رسم الخط کی تبدیلی کے بعد اردو میں اپنا لیا جائے، اساتذہ طلبہ کو ان اصطلاحات سے اچھی طرح روشناس کرا دیں اور طلبہ اساتذہ کے نوٹ اور انگریزی کی کتابوں کا مطالعہ کرکے جواب اپنی اردو زبان میں لکھیں۔ ترقی اردو بورڈ کی طرف سے رفتہ رفتہ کتابیں شائع ہونے لگیں گی، تو ہمارے طلبہ کی تمام دقتیں بھی رفتہ رفتہ دور ہوتی جائیں گی۔

جہاں تک تعلیم یافتہ نوجوانوں کو روزگار کے مواقع فراہم کرنے کا سوال ہے، اس سلسلے میں سرکاری، غیر سرکاری ملازمت ہو یا تجارت وصنعت و حرفت، کسی بھی میدان میں اردو کا ذریعہ تعلیم ہونا ان نوجوانوں کے بارروزگار ہونے کی راہ میں مانع نہیں ہوتا۔ اردو کے پہلو بہ پہلو ان لوگوں کی انگریزی اور ہندی (یا کسی دوسری علاقائی زبان) میں بھی اس قدر استعداد ہوگی کہ ہر جگہ یہ لوگ اپنا کام چلا سکتے ہیں۔ صرف ایسے تعلیمی اداروں میں جہاں کا ذریعہ تعلیم اردو نہیں ہے، انھیں معمولی دقت پیش آئے گی۔ لیکن ہمارے نوجوانوں میں سے کتنے فی صد سلسلۂ تعلیم و تدریس سے خود کو منسلک کر پاتے ہیں؟ بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اردو کی تعلیم و تدریس کا سلسلہ رفتہ رفتہ بڑھتا جائے گا تو ان نوجوانوں کے روزگار کے وسائل بھی خود بخود وسیع تر ہوتے جائیں گے۔ آپ ذرا یہ تو سوچئے کہ کچھ دنوں کے بعد جبکہ یونین پبلک سروس کمیشن کے امتحانات انگریزی کے بجائے مختلف علاقائی زبانوں میں ہوں گے، تو اس وقت اگر اردو والوں نے اس سنہرے موقع سے فائدہ نہ اٹھایا تو ان کا کتنا بڑا نقصان ہوگا؟ اردو کو ان علاقوں میں جہاں یہ زبان خاص تعداد میں بولی جاتی ہے ایک علاقائی زبان کی حیثیت سے تسلیم کرانے نیز ابتدائی اور ثانوی سطح پر اردو کی تعلیم کی سہولتیں مہیا کرنے کے سلسلے میں تو اردو والوں کی جدوجہد جاری ہے۔ لیکن میری رائے میں اس کے پہلو بہ پہلو تعلیم کی اعلیٰ منزلوں پر بھی اردو کو فوراً ایک ذریعہ تعلیم کا درجہ دیا جانا چاہئیے۔ ظاہر ہے کہ اس تجربہ کے لئے علی گڑھ یونیورسٹی سے بہتر اور کون سی جگہ ہو سکتی ہے؟

علی گڑھ یونیورسٹی پر ہماری نظر مرکوز ہونے کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ اس کے مختلف ڈپارٹمنٹ میں اردو جاننے والے مستقل علوم کے لائق و فائق ماہروں کی تعداد جتنی زیادہ ہے، ہندوستان کی کسی دوسری یونیورسٹی میں غالباً اتنی نہیں ہے۔ اس لئے میری رائے میں کم از کم آئندہ سال سے یہاں دو الگ الگ سیکشنز میں اردو اور انگریزی دونوں کو ذریعہ تعلیم کی حیثیت سے مروج کرنا چاہئیے اور طلبہ کو اپنی مرضی کے مطابق اردو میں جواب لکھنے کی اجازت ملنی چاہئیے۔ اس سلسلے میں انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ اور اردو ڈپارٹمنٹ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، دونوں پر زبردست ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ امید ہے کہ ان دونوں کے ارباب حل و عقد مزید پس و پیش سے کام نہیں لیں گے۔ او [illegible] سلسلے میں ان کا فوری اقدام لائق ستائش ثابت ہوگا۔

بقول اقبال:-

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

صبا جائسی (علیگ)

غزل

حادثہ تو کیا کہوں، یہ وقت ہی کی بات ہے
میرا سایہ اور وہ میرا ہی پیچھا چھوڑ دے؟

واقعہ ہوتا تو ہم محسوس بھی کرتے اسے
کتنے نا محسوس ہیں یہ میرے تیرے فاصلے

اپنی ہی نظروں میں جب مشتبہ تھا اپنا وجود
جانے کیسے گردشِ حالات سے لڑتے رہے؟

اپنا عالم اہلِ محفل سے میں کیوں کر پوچھتا
کیا دکھاتے شکل میری ٹوٹے پھوٹے آئینے؟

چند لفظوں میں سنا سکتا ہوں رودادِ حیات
زندگی کچھ خواب لیکن خواب بھی معدوم سے

آج یہ دن ہے خوشی بھی ہم کو اب ملتی نہیں
وہ بھی دن تھے جب ہمیں شائستہ آلام تھے

میں نے مانا ہے علی گڑھ محفلِ دانشوراں
دم گھٹا جاتا ہے میرا تو جرا غوں کے تلے

اخبار و اذکار

اردو پڑھنے پڑھانے کی راہ میں دشواریاں دور کرنے کا وعدہ

لکھنؤ۔ ذیل میں اس تقریر کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے جو اردو اکیڈمی کے افتتاح کے موقع پر اکیڈمی کی صدر بیگم حامدہ حبیب اللہ نے کی تھی۔

محترم وزیر اعلا، معزز حاضرین!

میں آپ سب کی شکرگزار ہوں کہ آپ نے میرا دعوت نامہ قبول فرما کر اس جلسہ کو عزت بخشی۔ میں پنڈت جی کی بے انتہا مشکور ہوں کہ انھوں نے صدر اکیڈمی کے لیے میری کمزوریوں سے نظر ہٹا کر یہ ذمہ داری سونپ دی۔ انھوں نے مجھے بھاشا کی خدمت کا جو موقع پردان کیا ہے میں اس کی حفاظت اور اس کی ترقی کی ہر ممکن کوشش کروں گی۔

معززین!

اترپردیش میں اردو اکیڈمی کا قیام یعنی استھاپنا کے لیے پنڈت جی نے جس لگن اور جذبہ سے اپنا قیمتی سمے نکال کر اردو اکیڈمی کی داغ بیل ڈالی۔ اس سے پنڈت جی کی ہندی دوستی کے ساتھ ساتھ اردو دوستی اور بھاشائی فرض شناسی کا پتہ چلتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اترپردیش میں اردو کی ادبی آتمکتا ترقی پا سکے گی جہاں ایک طرف اردو اکیڈمی اپنا کام کرے گی وہاں پنڈت جی فرمان راہوں پر بھی روشنی ڈالیں گے جن سے اردو تعلیم کے سلسلے میں پیش آنے والی دشواریوں کو سرکاری طور پر دور کیا جا سکے گا۔ سنہ ۱۹۷۳ء کے بجٹ میں اردو کی پرائمری تعلیم پر ۵ لاکھ ۹۰ ہزار روپیہ کی رقم رکھی گئی ہے اور ضرورت پڑنے پر اس میں اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

محترم بھائیو! اور بہنو!

اردو اکیڈمی اردو ادب کی ترقی، اردو لائبریریوں کی توسیع و وکاس، ضرورت مند اردو ادیبوں، شاعروں اور فنکاروں کی مالی امداد اور اردو کی نایاب کتابوں کی اشاعت کا کام انجام دے گی۔ اسی کے ساتھ ہی ساتھ اردو اکیڈمی اس بات کی کوشش کرے گی کہ وہ اردو کے متعلق پیدا شدہ غلط فہمیوں کو ختم کر کے ایک نیا خوشگوار ماحول بنائے جس میں اردو والے اپنی تمناؤں کے مطابق جیسا کہ پنڈت جی نے اظہار کیا ہے۔ اردو کو پھلتا پھولتا دیکھ سکیں۔

اس موقع پر میں آنجہانی پنڈت جواہر لال نہرو کے یہ الفاظ دہرانا چاہتی ہوں:۔

"ہندوستان میں آج کل یک جہتی اور باہم میل جول کا بڑا چرچہ ہے۔ اردو زبان اسی میل جول کا عظیم نمونہ ہے اردو ہندوستان کی یک جہتی کا نمونہ ہے اور یہ نمونہ محض زبان کا نہیں طرز فکر کا اور تہذیب کا بھی ہے، ادب کا بھی ہے۔ اردو خالص ہندوستانی زبان ہے اس لئے اسے پردیسی یا اجنبی سمجھا جانا ہے۔ ہمیں اس حقیقت کو سمجھنا چاہیے۔"

حقیقت اور مخالفت!

اس حقیقت سے جس کی جانب پنڈت جواہر لال نہرو نے توجہ دلائی تھی، قومی اور ملکی ضرورتوں سے ہر حقیقت پسند کو آشنا کیا گیا اردو کے بڑے سے بڑے مخالف نے یہ بھی تسلیم کیا کہ

"اردو ہندوستانی زبان ہے اور جو لوگ اردو پڑھنا چاہتے ہیں انھیں پوری سہولتیں دی جائیں۔"

میں لکھنؤ منتری کی شکرگزار ہوں کہ انھوں نے بہت واضح الفاظ میں مرکزی اور ریاستی حکومت کی جانب سے یہ اعلان کیا کہ دونوں حکومتیں اردو کو کاغذی ترقی سے نکال کر عملی طور پر اس یک جہتی کی زبان کو پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتی ہیں۔

اپنے اسی اعلان میں وزیر اعلا نے آٹھویں درجہ تک اردو میں کتابوں کی فراہمی کا اعلان کر کے عملی طور پر اردو کی تعلیمی راہ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے۔

مجھے اردو کے ہر مخلص کارکن پر اور اردو کی ترقی کی خواہشمند جماعتوں پر پورا بھروسہ ہے کہ وہ اپنی اس ذمہ داری کو پورا کریں گی جن کو وزیر اعلا نے ان پر ان الفاظ میں چھوڑا ہے کہ

"سرکار کو جب بھی یہ جانکاری ہوگی کہ اردو پڑھنے پڑھانے کی راہ میں کوئی دشواری پڑ رہی ہے تو وہ اسے دور کرنے کی پوری کوشش کرے گی۔"

اردو سے محبت رکھنے والے صوبے کے لاکھوں باشندوں کے لئے پنڈت جی کا اردو اعلان اور اردو اکیڈمی کا قیام اس صوبے میں قومی یک جہتی کا ایک نیا ماحول بنانے میں کتنا کامیاب ہوگا اس کا انحصار سرکار، اکیڈمی اور اردو کے شیدائیوں کے عمل پر منحصر ہے

میں اپنی تمام کمزوریوں اور خامیوں کے احساس کے باوجود ان ذمہ داریوں کو اسی وقت پورا کر سکتی ہوں جب آپ سب کا تعاون حاصل ہو۔

پنڈت جی نے مجھے اکیڈمی کا صدر بنا کر جو عزت بخشی ہے وہ عزت اس زبان کی ہے جس نے اپنے ترانوں سے جنگ آزادی میں بے سر و سامان قافلہ جا کر آزادی حاصل کی بہ عظمت اس یک جہتی کی علمبردار زبان کی ہے جس نے نازک جنگی حالات میں بلا امتیاز مذہب و ملت مادر وطن کی حفاظت کا حوصلہ بخشا۔

میری پوری کوشش ہوگی کہ میں اردو کی ایک ادنیٰ خادمہ کی حیثیت سے اردو زبان کی آن بان اور شان کو بڑھانے میں

آپ سب کا تعاون حاصل کر کے اپنی ذمہ داریوں کو نبھاؤں۔

میں محکمہ شری کی اس لئے شکرگزار ہوں کہ انھوں نے ہنگامی حالات کے باوجود اردو کے سلسلے میں کئے گئے وعدہ کو عملی شکل دینے میں بڑی دلچسپی لی۔ پنڈت آنند نرائن ملا کی اس لئے شکرگزار ہوں کہ اردو کے قافلہ کو ایک سنجیدہ صاحب فکر و عمل قافلہ سالار کی ضرورت تھی اور اس ذمہ داری کو انھوں نے قبول فرما کر چیرمین مجلس انتظامیہ اردو اکیڈمی ہونا قبول فرمایا میں نیشنل انٹگریشن یعنی قومی یکجہتی کے محکمے کے سکریٹری شری تربھون پرشاد کا شکریہ ادا کرتی ہوں جن کی ذاتی دلچسپی نے اردو اکیڈمی کی تشکیل میں بھرپور مدد دے کر ہم سب کو آج یہاں اردو کی عملی ترقی کے لئے اکٹھا کیا۔ ساتھ ہی ساتھ شری صباح الدین عمر صاحب کی شکرگزار ہوں کہ انھوں نے اکیڈمی کا سکریٹری ہونا قبول کیا اب یہ ہمارا اور آپ سب کا فرض ہے کہ ہم اردو کے موجودہ حسین خاکہ کو حسین سے حسین تر بنانے کی پرخلوص عملی جدوجہد کریں۔ ماضی کی غلطیوں کو بھول جائیں اور مستقبل کی تعمیر پر زبانی کو سنواریں۔ میں اپنی تقریر کو ختم کرتے وقت اردو سے متعلق یہ دو شعر بھی سنا دینا چاہتی ہوں ؂

مصائب سے الجھ کر مسکرانا میری فطرت ہے
مجھے ناکامیوں پہ اشک برسانا نہیں آتا
نگاہیں جن کی جم جاتی ہیں مستقبل کے چہرے پر
انھیں ماضی کی ناکامی کو دہرانا نہیں آتا

اردو اکیڈمی اردو کے مستقبل کی ضمانت ثابت ہوگی اس امید کے ساتھ میں آپ سب کا ایک مرتبہ پھر خلوص دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں۔ خدا حافظ ـ جے ہند

• عہد نو لکھنؤ

اردو انٹرمیڈیٹ جماعتوں کا قیام

حیدرآباد۔ گورنمنٹ کالج جگتیال ضلع کریم نگر میں انٹرمیڈیٹ کی اردو جماعتوں کا قیام عمل میں لایا گیا ہے توقع ہے کہ عنقریب ہی کلاسس کا آغاز ہو جائے گا اس سلسلے میں پرنسپل گورنمنٹ کالج جگتیال مسٹر بی۔ این راؤ کی سرگرم مساعی سے اردو جماعتوں کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ فی الحال اردو، تاریخ اور شہریت کے مضامین میں داخلہ دیا جا رہا ہے۔

• سیاست حیدرآباد

اردو والوں کے لئے قابل تقلید اقدام

نلگنڈہ:۔ بتایا گیا ہے کہ انجمن ترقی اردو شاخ نلگنڈہ کے جدید انتخابات کے بعد عہدہ داران و اراکین انجمن نے اپنے بچوں کو جو تلگو اور انگلش میڈیم کے مدارس میں زیر تعلیم تھے اردو میڈیم کے مدارس میں شریک کر کے اردو کی ٹھوس خدمت کی سمت قدم اٹھایا ہے۔ اردو کی ہمدردی میں زبانی جمع خرچ کرنے والوں کے لئے یہ اقدام یقیناً لائق تقلید ہے۔

• رہنمائے دکن

اردو ہندوستان کے کروڑوں عوام کی زبان ہے

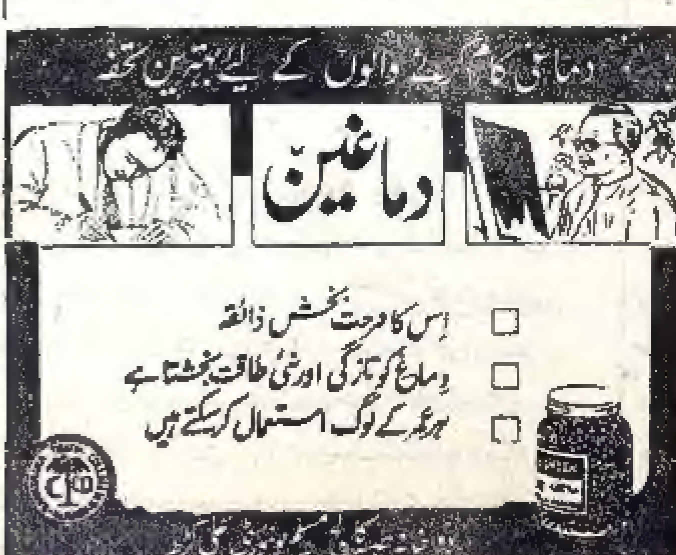
حیدرآباد: جناب محمد اسمٰعیل صدر آندھرا پردیش کانگریس کمیٹی نے کہا کہ اردو ہندوستان کے کروڑوں عوام کی زبان ہے اور اور اس کے درپیش مسائل کو یقینی طور پر حل کیا جانا چاہئے۔ انھوں نے کہا کہ بعض فرقہ پرست تنظیمیں اردو کو مسلمانوں کی زبان کہتی ہیں۔ جب کہ لاکھوں کی تعداد میں ایسے غیر مسلم بھائی بھی ہیں جن کا اوڑھنا بچھونا اردو ہی ہے اور انھوں نے اس زبان کی ترویج و ترقی کے علاوہ اس کے ادبی زلفوں کو سنوارنے میں بے مثال خدمات انجام دی ہیں جہاں حالی، غالب، اور اقبال کے نام لئے جاتے ہیں وہیں منشی پریم چند، چکبست، اور فراق گورکھپوری نے بھی اردو زبان کی آبیاری کے لئے اپنا خون پسینہ ایک کیا ہے۔ جناب محمد اسمٰعیل کل رات سٹی کانگریس کی جانب سے منعقدہ ایک انتخابی جلسہ عام سے خطاب کر رہے تھے۔

• رہنمائے دکن

اردو کے ساتھ انصاف کی ضرورت

حیدرآباد:۔ نواب میر احمد علی خاں صدر انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش نے کہا کہ ریاست میں اردو کے ساتھ انصاف کیا جانا چاہئے۔ سرکاری مراسلت، ملازمتوں اور دوسرے شعبوں میں اردو کو اس کا مقام ملنا چاہئے۔ نواب میر احمد علی خاں کل شام بزم اردو دھرم ونت جونیر کالج کے سالانہ جلسہ میں صدارتی تقریر کر رہے تھے۔ انھوں نے کہا کہ جہاں کہیں ضرورت ہو اردو مدارس اور کالجیں قائم کرنے چاہئیں۔

• سیاست حیدرآباد



وکیل اختر مرحوم کی برسی

بزمِ شہود کلکتہ کی جانب سے ادبی کلب میں وکیل اختر مرحوم کی برسی زیر صدارت ابراہیم ہوش منائی گئی۔ ایم۔ اے نصر نے وکیل اختر مرحوم کی شاعری اور شمس الزماں و تسکین نے شخصیات سے متعلق تاثراتی مضامین پڑھے۔ اقبال کرشن نے منظوم خراج عقیدت پیش کیا اور ثقلین حیدر نے اختر مرحوم کی شخصیت و شاعری پر تقریر کی بعد میں ایک شعری نشست ہوئی۔

• ایم۔ اے نصر کلکتہ

انعامی مقابلے

(۱)

حیدرآباد:۔ کل ہند مجلس تعمیر ملت نے سالہائے گذشتہ کی طرح اس سال بھی ۱۲ واں تعمیر ملت گولڈ مڈل تحریری مقابلہ کے انعقاد کا اعلان کیا ہے۔ جس کا عنوان "ہندوستانی سماج پر اسلامی افکار کا اثر" ہے اس مقابلہ میں گریجویشن یا اس کے مماثل کامیاب امیدوار بلاقید مذہب و ملت و عمر و جنس حصہ لے سکتے ہیں مقالہ کم از کم ۵۰ صفحات پر مشتمل ہو۔ اول و دوم آنے والے اصحاب کو گولڈ مڈل ۲۰ ویں یوم رحمۃ للعالمین کے موقع پر دیئے جائیں گے جو ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ ۲۷ اپریل ۱۹۷۲ء کو صبح حیدرآباد میں منعقد ہوگا۔ مقابلہ میں شرکت کی فیس ۵ روپے ہے جو نقد یا بذریعہ منی آرڈر یا بشکل پوسٹل اسٹامپ روانہ کی جاسکتی ہے مقالہ انگریزی یا اردو میں فل اسکیپ سائز کے ایک رخ پر صاف اور خوشخط لکھا جائے مقالہ نگار ماخذات کی فہرست بصراحت نام کتاب مصنف یا ناشر وغیرہ مقالہ کے آخر میں منسلک کریں۔ مقالہ نگار کے معیار قابلیت کے صداقت نامہ کی مصدقہ نقل مقالہ کے ساتھ منسلک کی جائے مقالہ روانہ کرنے کی آخری تاریخ دست بدست یا بذریعہ ڈاک ۳۱ مارچ ۱۹۷۲ء رات ۱۰ بجے تک ہے۔

(۲)

حیدرآباد:۔ کل ہند مجلس تعمیر ملت نے سال ہائے گذشتہ کی طرح اس سال بھی کالج اور ہائی اسکول کے طلبہ طالبات کے لئے بلالحاظ مذہب و ملت ۱۴ ویں رحمۃ للعالمین تحریری مقابلوں کے انعقاد کا اعلان کیا ہے کالج گروپ کے لئے عنوانات:

۱۔ عالم اسلام کی پستی کے اسباب ۲۔ بیرونی اقتدار کے خلاف ٹیپو سلطان کی کاوشیں۔ ۳۔ زبان اردو اور تحریک آزادی۔ ہائی اسکول گروپ کے لئے عنوانات:

۱۔ حالات حضرت علیؓ ۲۔ ایمان اور اچھے کام ۳۔ اسلام کی ترقی میں خواتین کا حصہ۔

مضمون نگار مندرجہ عنوانات میں سے کسی ایک پر مضمون لکھ سکتے ہیں۔ کالج گروپ کے لئے انعام اول ۱۲۵ روپیے اور انعام دوم ۷۵ روپے ہائی اسکول گروپ کے لئے انعام اول ۷۵ روپے انعام دوم ۵۰ روپے اس کے علاوہ ترغیبی انعام بشکل کتب دئے جائیں گے۔

ان مقابلوں میں شرکت کی فیس کالج گروپ کے لئے ۲ روپے اور ہائی اسکول کے لئے ایک روپیہ ہے جو بذریعہ منی آرڈر یا بشکل پوسٹل اسٹامپ قبول کی جائے گی۔ کالج اور ہائی اسکول کے مضمون نگاروں کی عمریں علی الترتیب ۲۵ سال اور ۱۸ سال سے متجاوز نہ ہوں مضمون نگار صداقت نامہ تعلیمی بصراحت جماعت و عمر مضمون کے ساتھ روانہ کریں۔ کالج اور ہائی اسکول گروپ کے مضامین علی الترتیب ۵۰ اور ۲۵ فل اسکیپ صفحات سے زیادہ نہ ہوں ۱۴ مارچ ۱۹۷۲ء رات ۱۰ بجے تک مضامین داخل کرنے کی آخری تاریخ ہے نمبر ۱ و ۲ کے مقابلوں کے مضامین بھیجنے کا پتہ۔

• ناظم دفتر معتمد تعمیر ملت تحریری مقابلہ
مدینہ منشن ، نامپلی گوڑہ ، حیدرآباد

تبصرے

(۱)

چودھری محمد نعیم

محمد خان ۔ کلام غالب کے انگریزی ترجمے ۔
ہمدرد پریس بنگلور ۔ ۱۹۷۱ء
۷۷ صفحات ۔ قیمت ۵ روپے

محمد خاں صاحب کے نزدیک کھرا اور دیانت دار ترجمہ وہ ہے کہ کوئی اردو داں غالب کے ایک اردو شعر کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں پڑھے لیکن اصل شعر اس کی نظر میں نہ ہو تو اس صورت میں اگر وہ اس شعر کا اردو میں ترجمہ کر دے تو اس ترجمے کے الفاظ اصل شعر کے الفاظ سے ایسی ہی کے ترتیب سے مطابق ہوں، فرق اگر کوئی ہو بھی تو مترادفات کا ہو۔ اس معیار پر انھوں نے مختلف مترجمین کے کئے ہوئے غالب کے ۲۴ منتخب اشعار کے تراجم کو جانچا ہے۔ مترجمین کے نام ہیں: فرانس گور کھپوری، خواجہ احمد عباس، رالف رسل، وی شنکر، اندر جیت لال، پی لکھن پال، محمد مجیب، آمنہ خاتون، قرۃ العین حیدر، جے، ایل، کول، اے کیو نیاز اور زیتون عمر۔ بنیادی طور پر ان کو ان مترجمین سے یہ شکایت ہے کہ وہ بیشتر شعر کا ترجمہ نہیں کرتے بلکہ تشریح کرنے لگتے ہیں اور ستم یہ ہے کہ اس تشریح کو ترجمے کے نام سے پیش کرتے ہیں۔ محمد خاں صاحب کا قول ہے کہ "پہلے ترجمہ پھر شرح" یہی اصول غالب کی شاعری کو دوسری زبانوں میں منتقل ہو کر مرکھپ جانے سے بچا سکتا ہے۔" مضمون کے آخر میں انھوں نے رالف رسل کے کئے ہوئے منتخب آٹھ اشعار کے تراجم اس بات کی مثال میں پیش کئے ہیں کہ اگر مترجم ذمہ دار اور دیانت دار ہو تو کامیاب ترجمہ ممکن ہے۔

محمد خاں صاحب کا یہ مقالہ خاصا مفید ہے۔ تراجم پر جہاں جہاں انھوں نے اعتراضات کئے ہیں غالباً کسی کو بھی ان سے اختلاف نہ ہو۔ شعر کا ترجمہ اور وہ بھی غزل کے شعر کا، انتہائی مشکل کام ہے۔ غزل کی زبان جس کے پیچھے صدیوں کی روایت ہے اور پھر اس میں جو کفایت لفظی برتی جاتی ہے اور جس طرح معنوی تہ داری کا التزام کیا جاتا ہے، ان سب کو انگریزی میں برقرار رکھنا تقریباً ناممکن ہے۔ پھر یہ کہ آہنگ تو سرے سے ہی غائب ہو جاتا ہے۔ (اس سلسلے میں کسی قدر کامیابی صرف اسی طریقے کو اپنانے میں ممکن ہے جو STANLEY BURNSHAW نے اپنی کتاب THE POEM ITSELF میں برتا ہے کہ شعر کا ترجمہ و شرح وغیرہ پڑھنے کے بعد قاری پھر اصل شعر کی طرف اصل زبان میں رجوع کرے)۔

مجھے صاحب مقالہ سے صرف دو باتوں میں اختلاف کا اظہار کرنا ہے۔ انھوں نے اکثر جگہ اشعار کی مفصل شرح لکھی ہے اور ان کے لب و لہجے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ شعر کی معنوی تہ داری کو ترجمے میں برقرار و اتفاقی منتقل کرنے پر زیادہ اصرار نہیں کرتے ہیں کیونکہ وہ خود ایک ہی معنی کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ غزل کے شعر کی بنیادی خوبی سے انحراف کرنا ہوا۔

دوسرے یہ کہ انھوں نے اگرچہ دیگر مترجمین کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ ان کی خامیوں کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن آمنہ خاتون کے سلسلے میں انھوں نے صرف خوبیاں ہی بتائی ہیں۔ خامیوں سے چشم پوشی کر گئے ہیں۔ (ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ کتاب کے آخر میں آمنہ خاتون صاحبہ کی کتابوں کے اشتہار کے ۲۸ صفحے بھی شامل کئے گئے ہیں)۔ مثلاً: "پرے ہے سرحد ادراک سے اپنا مسجود" کا ترجمہ دیا گیا ہے

THE BEING ADORED BY ME IS AWAY FROM THE LIMITS OF UNDER-STANDING.

اس میں "سجدہ" سے متعلق کوئی لفظ نہیں یعنی "معبود" اور "مسجود" کے فرق کا التزام نہیں۔ دوسرے یہ کہ "IS AWAY" کا مطلب ہو سکتا ہے: "دور ہے، باہر گیا ہوا ہے"۔ یہاں غالباً BEYOND کا لفظ بہتر ہوتا۔ اسی طرح مقطع پر "ہے آدمی بجائے خود اک محشر خیال" الخ کا جو ترجمہ آمنہ خاتون کا دیا گیا ہے اس میں تمام وہی خامیاں ہیں جو صوفی نیاز یا جے۔ ایل۔ کول کے یہاں پائی جاتی ہیں۔

۷۷ صفحات کی کتاب کی قیمت پانچ روپے زیادہ ہے۔ ویسے کتاب مجموعی طور پر ان تمام حضرات کے لئے مفید ثابت ہوگی جن کو ترجمہ کے مسائل سے دلچسپی ہے۔ دیباچہ کی طرف اسلوب احمد انصاری صاحب توجہ کریں۔ پتہ نہیں محمد خاں صاحب ان سے کیوں خفا ہیں۔

---

(۲)

ڈاکٹر شمیم حنفی

کتاب: پیکر خیال (قطعات کا مجموعہ)
مصنف: اختر بستوی
ناشر: مکتبہ دین و ادب ۔ ۱۰ لاٹوش روڈ، لکھنؤ
قیمت: دو روپے

شاعری میں "مضامین باندھنے" کا رواج پیشتر دنوں تک ہی محدود نہیں تھا، آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ چنانچہ بہت سے شعرا نثری خیالات کو جامۂ شعر عطا کرنا شعر گوئی کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ اردو کی روایتی تنقید نے بھی "شاعر کہتا ہے"، "شاعر یہ کہنا چاہتا ہے"، "شاعر نے اس حقیقت کو نظم کیا ہے" وغیرہ وغیرہ قسم کی باتوں سے اس رجحان کو عام کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے جب کہ واقعہ یہ ہے کہ یہ رجحان تخلیقی عمل اور سچے فنی اظہار کی مبادیات کی نفی کرتا ہے۔ فلسفیانہ، اخلاقی، سماجی، تہذیبی، سیاسی افکار کو محض منظوم کر دینا کسی شخص کو ناظم بنا سکتا ہے، شاعر نہیں۔ اختر صاحب کے اس مجموعے میں فکری قطعات بھی ہیں اور

ردمانی بھی اور انھوں نے مقبولِ عام تصورات کو بالعموم کامیابی کے ساتھ چار مصرعوں میں بیان کیا ہے۔ دو مثالیں ملاحظہ ہوں:

جس کی تعمیر ہو تفریق کی بنیادوں پر
مجھ سے ایسی کسی تعلیم کی باتیں نہ کرو
تم نے دیکھا ہے ابھی حال ہی انجام اس کا
اب تو اس ملک میں تقسیم کی باتیں نہ کرو

(فکری قطعات سے)

بارہا میں نے دلایا ہے محبت کا یقیں
کرو اک بار ذرا تم بھی تو اقرار وفا
یوں نہ خاموش رہو سن کے گزارش میری
اپنی انگلی پہ لپیٹو نہ دوپٹے کا سرا

(رومانی قطعات سے)

انھیں صرف اس اعتبار سے کوئی چاہے تو شاعری کہہ سکتا ہے کہ مصرعے برابر ہیں اور ان میں ایک مضمون باندھا گیا ہے۔ لیکن ایک مشہور نقاد (سوسن سونٹیگ) کی یہ بات بھی گرہ میں باندھنے کی ہے کہ شاعری "کسی شے کے بارے میں" نہیں بلکہ بجائے خود ایک "شے" ہے۔ اس مجموعے کی کتابت، طباعت، کاغذ، جلد اور سرورق معمولی ہیں۔

ڈاکٹر شمیم حنفی

(۳)

کتاب: بھولے کبوتر ہوشیار سانپ

(افسانوں کا مجموعہ)

مرتب: طالب شاہ آبادی

ناشر: ہنری مارٹن انسٹی ٹیوٹ، پرانا قلعہ، لکھنؤ ۱

قیمت: ایک روپیہ پچاس پیسے

مسیحی افسانہ نگاروں کے اکیس افسانوں کا مجموعہ ہے سرورق پر کتاب کے عنوان کے نیچے یہ الفاظ بھی درج ہیں:

"شمالی ہندو پاک کے مسیحی معاشرے کی ایک جھلک"۔ جن افسانہ نگاروں کی تخلیقات اس مجموعے کی زینت ہیں ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: طالب شاہ آبادی، اختر کاشمیری، رفیق ایم۔ایس۔بی آرزو، قربان ایم اے، حیا لدھیانوی، راغب رضوانی، یوسف جلیل، جوزف انور۔

اس احساس سے خوشی ہوتی ہے کہ ان سب نے اردو کو ذریعہ اظہار بنا کر اس کے حلقۂ اثر کی وسعت کی ایک ٹھوس مثال پیش کی ہے ان سب کو زبان و بیان پر قدرت حاصل ہے۔ البتہ "افسانے" کی حیثیت سے یہ تمام تخلیقات کمزور اور مبتدیانہ ہیں۔ اس کا سبب شاید یہی ہے کہ ان سب افسانہ نگاروں کے یہاں ادبی اور تخلیقی اظہار کے بجائے جس مقصد کا دباؤ ہے وہ مسیحی عقائد کی تبلیغ اور دوسرے مذاہب پر ان کی فوقیت سے عبارت ہے یہ جذبہ قابلِ قدر بھی ہو سکتا ہے اور اس کے اظہار کی نسبتاً سہل الحصول ہیئتیں بھی موجود ہیں۔ ادبی اظہار میں بنیادی شرط عقائد سے آگے بڑھ کر تخلیقی اظہار کی استعداد ہے۔ اس کتاب میں شامل کوئی افسانہ اس شرط کو پورا نہیں کرتا ادب اور تبلیغ کے امتیازات کا مسئلہ کوئی اہمیت نہ رکھتا ہی ہے۔ کتابت، طباعت، کاغذ اوسط۔

مظفر حنفی

غزل

کیا خواب تھا کہ سرد ہوئے شعلہ ہائے سنگ
بکھرے ہوئے تھے قوسِ قزح کے تمام رنگ

میرے مقابلے میں ہیں کیا تیغ اور تفنگ
اک چوب ہوں کہ جس سے بجاتے ہیں طبلِ جنگ

اس بار میں نے گردِ تعلق بھی جھاڑ دی
ڈر تھا کہ آ نہ جائے کہیں آئینے پہ زنگ

احساس ہو تو منہ سے کلیجہ نکل پڑے
سوچو تو لا کھ خون بہانے کے عذر لنگ

اس حادثے کو ایک زمانہ گزر گیا
یادش بخیر! مجھ میں بھی جینے کی تھی امنگ

وہ کارگاہ شیشہ گری تھی بقول میر
جس نے کہ چور چور کیا میرا رنگ رنگ

کیا طلسم معرکہ کارزار ہے
کانوں میں گونجتی ہے صدائے رباب و چنگ

پچھتا رہا ہے ڈورِ عداوت کی توڑ کر
اب اس کا حال یہ ہے کہ جیسے کٹی پتنگ

افسردہ شہر کہ سے مظفر گزر گیا
فطرت سے یہ زمین تھی خوش رنگ شوخ و شنگ

▲

باقی صفحہ ۱۳ سے آگے

ذوق بھی پیدا ہو سکے۔ اس سلسلے میں نصاب کی تاریخی ترتیب اتنی مفید نہ ہوگی جتنی جدید اور مانوس ادب سے کلاسیکی ادب کی منزل تک سفر مفید ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ کلاس میں لیکچروں کی تعداد کم کر کے تحریری شقوں کی تعداد بڑھانی ہوگی، پھر اچھے طلبہ کو اردو ادب میں ایم اے کرنے کے لئے وظیفے بھی دینے ہوں گے۔ تعلیمی کمیشن کے ممبران نے بھی اس بات کو تسلیم کر لیا تھا کہ آرٹس میں عموماً اور زبانوں میں خصوصاً اچھے طالب علموں کو مائل کرنے کے لئے مناسب تعداد میں وظیفے ہونے چاہئیں۔

کسی انگریزی لطیفہ گو نے کہا تھا کہ اس شخص نے انگریزی کو کیا جانا جس نے صرف انگریزی کو جانا، اسی طرح یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس شخص نے اردو کو کیا جانا جس نے صرف اردو کو جانا، کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اردو ادب کی اچھی استعداد کے لئے فارسی اور ہندی دونوں زبانوں سے واقفیت تو ضروری ہے ہی، انگریزی ادب سے آشنا ہونا بھی ضروری ہے، اردو میں ایم۔ اے کا فارسی زبان کا علم اتنا ہونا چاہیے کہ وہ شعرائے اردو کے وہ تمام تذکرے پڑھ سکے اور سمجھ سکے جو فارسی میں ہیں اور غالب اور اقبال کے فارسی کلام سے بھی آشنا نہ ہو، بلکہ فردوسی، سعدی، حافظ اور خیام بھی اس کے لئے اجنبی نہ ہوں۔ اسی طرح وہ کالی داس، کبیر، تلسی سے بھی آشنا ہو اور شیکسپیئر اور ٹالسٹائی اور گوئٹے سے بھی خواہ تراجم کے ذریعہ سے ہی کیوں نہ ہو، غرض ہمیں موجودہ دور کے حقائق، تعلیمی ضروریات، نفسیاتی صداقتوں کی روشنی میں، ابتدائی منزل سے لے کر اعلیٰ منزل تک اردو کے ایک معیاری نصاب اور اس کی اچھی تدریس پر اصرار کرنا چاہیے۔ میں یہ ہرگز ماننے کے لئے تیار نہیں کہ موجودہ پرآشوب حالات میں معیار پر اصرار صحیح نہیں۔ اس معاملے میں ڈھیل کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم حالات کو بہتر بنانے کے بجائے اور ابتری پیدا کریں۔ اچھی تعلیم پر اصرار کرتے ہوئے، ہمارا یہ فرض بھی ہونا چاہیے کہ ہم اردو میں ایم۔ اے کرنے والوں کے لئے درس و تدریس کے علاوہ صحافت، نشر و اشاعت، ریڈیو میں ملازمت کے امکانات پیدا کریں اور اس غرض سے ایم۔ اے کے بعد تراجم کے لئے، صحافت کے لئے، ریڈیو کے لئے اور دوسرے شعبوں کے لئے ڈپلوما کورس بھی رکھیں۔ زبان کی حفاظت اور اس کے چلن کی ضمانت تو بنیادی کام ہے، مگر ادب کا ذوق عطا کرنا اور ادب کے ذریعہ سے افکار و اقدار کی دولت عام کرنا کم سے کم یونیورسٹی کے استادوں، ادیبوں اور دانشوروں کا فرض اولین ہے۔ ہمیں صرف کتاب خواں ہی نہیں صاحب کتاب بھی درکار ہیں۔

کتابیں ملیں

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

۱۔ گنج رواں۔
کریم غازی
آرزو پبلیکیشنز جاپورہ، مالیگاؤں، ناسک
صفحات : ۳۶
قیمت : ۶ روپے

۲۔ نقد ابوالکلام
ڈاکٹر وحی الدین احمد
رجسٹرار دی وکٹوریہ یونی ورسٹی تروپتی
صفحات : ۱۱۱۵
قیمت : ۴۰ روپے

۳۔ اسباب بغاوت ہند
مرتب فوق کریمی
کتب خانہ انجمن ترقی اردو، اردو بازار جامع مسجد دہلی
صفحات : ۱۸۶
قیمت : ۳ روپے

وقت کی صدیاں
داؤد غازی
کوکن اردو رائٹرز گلڈ بمبئی ہوٹل بال، داپولی
صفحات : ۱۶۰
قیمت : ۴ روپے

۴۔ یہ ایک تبسم
برق آشیانوی
زندہ دلان حیدر آباد، ۲۴ مجرد گاہ معظم جاہی مارکٹ حیدرآباد
صفحات : ۱۶۰
قیمت : ۲ روپے

۵۔ معاصرین پر غالب کا اثر ظفر ادیب
قصر اردو، اردو بازار، دہلی ۶
صفحات : ۴۰۸ قیمت : ۱۰ روپے

آل احمد سرور

میرا صفحہ

مجھے اکثر یونی ورسٹیوں کے اردو کے شعبوں کے لئے استادوں کے تقرر کی کمیٹیوں میں شرکت کا اتفاق ہوتا ہے۔ اکثر امیدوار اردو کے اوّل درجے یا دوم درجے کے ایم اے ہوتے ہیں اور کچھ ایسے بھی جو پی۔ایچ۔ڈی ہیں۔ ان سے جب تاریخ ادب اصناف ادب اور مشاہیر ادب کے متعلق سوالات کئے جاتے ہیں تو ان کے جواب عام طور پر خیر تسلی بخش نہیں ہوتے، مگر ان سے اگر اشعار کے معنی پوچھے جائیں یا فسانۂ عجائب کی نثر کی وضاحت کرائی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ بعض تو شعر موزوں بھی نہیں پڑھ سکتے" اور بہت سے اشعار کی شرح کرنے میں ناکام رہتے ہیں، فسانۂ عجائب کی نثر کی وضاحت کرنا تو درکنار، بعض لوگ تو صحیح عبارت بھی نہیں پڑھ پاتے۔ یہ مرض اب اتنا عام ہو گیا ہے کہ اس کے علاج کی طرف فوری توجہ ہونی چاہئے، ورنہ ہمارے کلاسیکل ادب کا علم دعرفان ہو چکا۔ بلکہ بقول اقبال سہ

نئی بجلی کہاں ان بادلوں کے جیب و دامن میں
پرانی بجلیوں سے بھی ہے جن کی آستیں خالی

یونی ورسٹی کی تعلیم کی منزل پر بنیادی خامیاں دور کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ دراصل ثانوی درجے میں طالب علم کو صحیح زبان پڑھنا اور لکھنا آنا چاہئے، مگر اوّل تو ثانوی منزل پر اردو لینے والے طالب علم کم ہوتے ہیں، دوسرے ہمارے ملک میں ثانوی تعلیم کا ڈھانچہ بہت ناقص ہے، تیسرے اردو کے استاد یہ سمجھنے لگے ہیں کہ اگر وہ معیار پر اصرار کرنے لگے تو طلبہ ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ پھر استادوں کی بڑی تعداد کو بھی اپنے مضمون سے عشق نہیں ہوتا اور وہ محض قواعد کے مطابق کام کرنا کافی سمجھتے ہیں۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ بی۔اے اور ایم۔اے کی منزل پر طلبہ کی زبان کی بنیاد کمزور ہوتی ہے اور ادب سے وہ براہ راست واقف نہیں ہوتے، صرف نقادوں کی آرا پر اکتفا کرتے ہیں۔ نصاب کی ضروریات، انتخاب پر مجبور کرتی ہیں۔ وقت کی کمی اتنا موقع نہیں دیتی کہ کلاس میں نثر و نظم کا متن اچھی طرح پڑھایا جائے۔ استاد کچھ منتخب غزلیں یا چند مخصوص نثر پارے کلاس میں پڑھا پاتا ہے۔ طالب علم صرف سننا کافی سمجھتے ہیں، ٹیوٹوریل اور ٹرم پیپر ضرور لکھوائے جاتے ہیں، مگر ان میں طالب علم چند کتابوں سے صفحے کے صفحے نقل کرنا کافی سمجھتے ہیں۔ رہا نمبروں کا سوال، تو ایک تو استاد طالب علم سے ہمدردی کے معنی نمبر دینے میں فیاضی کے سمجھتا ہے، دوسرے مختلف سوالوں میں تھوڑے تھوڑے نمبر مل کر بھی خاصے ہو جاتے ہیں، طالب علموں کا حال یہ ہے کہ اچھے طالب علم عام طور پر سائنس کا رخ کرتے ہیں، دوسرے درجے کے طلبہ سماجی علوم کا اور تیسرے درجے کے طلبہ آرٹس خصوصاً زبانوں کے شعبوں کا۔ اس ناقص مواد کو کوئی کس طرح کندن بنا سکتا ہے۔ اردو کے ساتھ ایک اور بدقسمتی یہ ہے کہ بازار میں اس کی مانگ کم ہے اور آج کل کا نوجوان بازار کی مانگ کو کیسے نظر انداز کرے۔ جو دو چار اچھے طالب علم اردو ادب سے دلچسپی کی وجہ سے اردو میں ایم۔اے کر بھی لیتے ہیں، وہ کچھ عرصے تک تلاش روزگار کے بعد اردو سے اور اپنے سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ حال کے ایک انٹرویو میں تو ایک امیدوار نے صاف کہہ دیا کہ اردو سے مایوس ہو کر وہ سوشیالوجی میں ایم۔اے کرنے کی سوچ رہا ہے۔

اس افسوس ناک صورت حال کا علاج کیسے کیا جائے۔ ہمارے نزدیک پہلی بات تو یہ کرنی چاہیے کہ یونی ورسٹی کے استاد اور اردو کے کارکن مل کر ابتدائی اور ثانوی منزل پر اردو کے لئے مناسب نصاب اور باصلاحیت استادوں کے تقرر پر زور دیں۔ دوسرے یونی ورسٹی کے استاد ثانوی منزل کے استادوں کے لئے ہر سال تعطیل کلاں میں کم سے کم ایک مہینے کا ریفریشر کورس چلائیں۔ ایسے ریفریشر کورس ہر ریاست کی کسی نہ کسی یونی ورسٹی میں باری باری ہونے چاہئیں۔ ان میں استاد ثانوی منزل کے استادوں کو جدید طریقۂ تعلیم کے مطابق نظم اور نثر کی تدریس کے اصول بتائیں اور کامیاب استادوں کو علاوہ سرٹیفکٹ کے انعامات بھی دیں۔ دوسرے وہ یونی ورسٹی کے بی۔اے اور ایم۔اے کے نصاب کی تیاری کے وقت ان درجوں کی تعلیم کے مقاصد کو محفوظ رکھیں اور ایسا نصاب ترتیب دیں جس کے ذریعہ سے طلبہ اچھی اور معیاری اردو لکھ سکیں اور ان میں ادبی

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

مالک انجمن ترقی اردو ہند (علیگڑھ) پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم۔اے نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھاپا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) علیگڑھ سے شائع کیا